

اپنے مفادات سے متعلق دھیما رویہ اختیار کرتے ہوئے سوہیت یونین سے موقع طور پر آزادی حاصل کرنے والی ریاستوں (بیشول رشین فیڈریشن) کے ساتھ مفہوم بھیادوں پر تعلقات کے قیام پر توجہ مرکوز کرنا شروع کردی۔ تہران بیک وقت اس پر مسلط کردہ ”تمائی“ کا مدوا بھی کرنا چاہتا تھا اور خطے میں مغرب نواز اتحاد کے مقابلے میں ایک نئی دھڑے بندی (counterpoise) کی تشکیل کا بھی خواہاں تھا۔

یہاں اس حقیقت کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ ایران کی شروع سے خواہش (اور مخووش) رہی ہے کہ سابق سوہیت مسلم ریاستوں کے ساتھ تعلقات کے سلسلہ میں کوئی بھی ایسا قدم نہ اٹھایا جائے جس سے ماسکو کی تاریخی مول لینا پڑے۔ ایران کو خطے میں ماسکو کی مرکزی دیشیت کا پوری طرح احساس ہے اور وہ ماسکو کے مفادات سے مقناد کوئی بھی قدم اٹھانے سے بیشہ سے احتراز کرتا رہا ہے۔

### خطے سے متعلق ایرانی خارجہ پالیسی کے عناصر تکونی

وسطی ایشیا اور سابق سوہیت یونین کی دیگر ریاستوں سے متعلق ایرانی خارجہ پالیسی متعدد جہات کی حامل ہے۔ اولاً ”اس پالیسی کا اہم ترین عنصر مکمل اور علاقائی سلامتی کا تحفظ ہے۔“ ۱۹۹۸ء میں خلیجی جنگ کے نتیجے میں خطے میں ایران مختلف مغربی طاقتوں کی مستقل موجودگی اور سوہیت یونین کے خاتمے کے بعد شمال میں ایک پڑوی ملک (سوہیت یونین کے بجائے متعدد ممالک) کے ظہور نے ایران کو سلامتی کے ایک ناخنگوار ماحول سے دوچار کیا۔ اس کی شمالی سرحدوں پر سات نئی ریاستوں کا نلمور ہوا۔ جن میں سے ایک (آریینیا) صرف خشکی کے ذریعے اس سے متصل تھی جبکہ دو (ترکمنستان اور آذربایجان) کی سرحدیں خشکی کے ساتھ ساتھ بھیرہ کیپین کے سواحل کے ذریعے بھی اس سے متصل تھیں۔ دو دیگر ریاستوں (رشین فیڈریشن اور قازقستان) کی سرحدیں بھیرہ کیپین کے ذریعے اس سے متصل تھیں۔ ایران ان نو آزاد ممالک میں مسلح تازعات والے علاقوں (trouble spots) سے قریب ترین ملک ہے۔ سوہیت یونین کے انہدام کے بعد نو آزاد وسطی ایشیائی ریاستوں اور قضاۃ میں سیاسی عدم انتظام کی جو صورت حال سامنے آئی اس سے ایران - وسطی ایشیائی ریاستوں کے تعلقات میں سلامتی سے متعلق عنصر کی اہمیت اور بڑھ گئی۔ ایران کی سرحدوں پر واقع ان ریاستوں میں سوہیت یونین کے انہدام کے بعد قوی تغیر (nation building) ، معاشرتی اور اقتصادی بحالی، استعماری ورثے سے نجات، لسانی اور نسلی

تعقبات پر قابو پانے اور سرحدی تازعات کے تصفیوں سے متعلق جو مسائل اور مشکلات ابھر کر سائنس آئیں، ایران کے لیے ان کے اثرات سے اپنے آپ کو بچانا اہم ترین مسئلہ تھا۔ مثلاً ”ایران کے پڑوی ممالک آذربایجان اور آرمنیا کے درمیان گورنر کارا باخ کے تازعہ کے سلسلہ میں موقع بیرونی داخلت اور اس کے نتیجے میں ایران کے اپنے آذربایجانی علاقوں میں پناہ گزیوں کی متوقع آمد کے منقی سیاسی اور اقتصادی اثرات“ ایران کی داخلی سلامتی سے متعلق مسائل کا باعث بن سکتے تھے۔ سلامتی سے متعلق ایران کی تشویش کا ایک اور پہلو سویت یونین کے انداام کے بعد تخلیل دی جانے والی ”آزاد ممالک کی دولت مشترک“ کے فوئی مستقبل سے متعلق ابهام تھا۔ کیا آزاد ممالک کی دولت مشترکہ میں شامل ہر ملک کو اپنی فوج رکھنے کا اختیار ہو گا یا ایک مشترکہ فوج کو ان ممالک کی سرحدوں کی خلافت کی زندگی سونپی جائے گی؟ یہ سوالات ایرانی دفاعی حکمت کاروں کے لیے انتہائی تشویش کا باعث بننے ہوئے تھے۔ نو آزاد مسلم ریاستوں میں اسلامی احیاء کی تحریکوں کے حوالے سے ایران کو یہ پریشانی لاحق تھی کہ مغرب اور امریکہ کی طرف سے ”اسلامی انقلاب کی برآمد“ کے ذریعے پڑوں کے اسلامی ممالک میں عدم احترام پیدا کرنے کا ذمہ دار ٹھہرائے کی جو مظہرم مم ایران کے خلاف چلائی جا رہی ہے، کہیں تو آزاد مسلم ریاستیں اس سے متاثر ہو کر ایران کے لیے منقی رویہ نہ اختیار کر لیں۔ ان نو آزاد مسلم ریاستوں کے ساتھ خوبگوار تعلقات ایران کی ضرورت تھی۔ لیکن اس سے بھی اہم بات ایران کے لیے یہ تھی کہ ان ریاستوں کے ساتھ تعلقات کے قیام کے حوالے سے ماسکو کی اشیر باد حاصل کی جائے۔ امریکہ سے دشمنی کے ساتھ ساتھ ایران ماسکو کی ناراضگی کا متحمل نہیں تھا۔ اسے عراق کے ساتھ آخر سالہ جنگ کے نتیجے میں اپنے تباہ شدہ فوجی اور اقتصادی ڈھانچوں کی تعمیر نو کے لیے ماسکو کے تعاون کی ضرورت تھی۔ ۱۹۸۹ء میں ایران نے سابق سویت یونین کے ساتھ دس بلین ڈالر کے اسلحہ کی خریداری کا معابدہ کیا تھا۔ ایران کی شدید خواہش تھی کہ ماسکو کو اس معابدہ کو منسون کرنے کا کوئی بہانہ مہیا نہ کیا جائے۔ ایران کو اپنی جوہری تھیبیات کی تحریک کے لیے بھی رویہ تعاون کی ضرورت تھی چنانچہ اس کے لیے وسطی ایشیا میں اپنے مفادات کے حصول کے ساتھ ماسکو کی حساسیت (sensitivities) کا خیال رکھنا انتہائی ضروری تھا۔

نو آزاد مسلم ریاستوں سے متعلق ایرانی پالیسی کا ایک اور اہم عنصر اقتصادی تعاون کے منصوبوں کے ذریعے خطے کی اقتصادی بحالت میں ایران کے لیے ایک مرکزی کردار کا حصول ہے۔ نو آزاد مسلم ریاستوں کو سویت یونین کے انداام کے نتیجے میں گونا گون اقتصادی مشکلات کا سامنا

ہے۔ اگرچہ یہ ریاستیں قدرتی دولت سے ملا مال ہیں تاہم سویت دور کے مرکزیت پنڈ اقتصادی نظام کے خاتمے کے بعد اقتصادی میدان میں انہیں ایک ایسے خلا کا سامنا ہے جس میں ایک طرف تو انہیں اپنے اقتصادی ڈھانچوں کی تغیر کے لیے بیرونی امداد اور سرمایہ کاری کی ضرورت ہے اور دوسری طرف بیرونی دنیا کے ساتھ تجارتی روابط کے قیام کے لیے گزر گاہوں کی ضرورت ہے۔ ایران ان مسلم ریاستوں کے ساتھ مضبوط اقتصادی روابط کے قیام اور انہیں اپنے قدرتی وسائل بیرونی منڈیوں تک پہنچانے کے لیے گزر گاہوں کی فراہمی کے ذریعہ خطے کی اقتصادی خوشحالی میں کدار ادا کرنے کا خواہش مند ہے۔ نو آزاد ریاستیں ایران کی زرعی اور صنعتی صنعتوں کے لیے ایک زبردست مارکیٹ بن سکتی ہیں۔ تیل، گیس، پڑو، کیمیکل اور ہلکی صنعتوں کے قیام میں ایران کی صلاحیت اور وسائل سے یہ ریاستیں کافی حد تک استفادہ کر سکتی ہیں۔ ایرانیوں کے مطابق ”وسطی ایشیا کی یہ نو آزاد ریاستیں آئندہ سے دس بلین ڈالر تک (سالانہ؟) ایرانی برآمدات کی منڈی بن سکتی ہیں۔“<sup>8</sup>

نو آزاد مسلم ریاستوں سے متعلق ایرانی خارجہ پالیسی کا ایک تیرا اہم عصر اسلامی بھائی چارے کو فردغ دینا ہے اور ان ریاستوں اور ان کے عوام کے مسلم تشخض کو فردغ دینا ہے۔ اس حوالے سے مغربی پریس میں ایران کی وسط ایشیائی ریاستوں میں سرگرمیوں پر خاصی تشویش کا اظہار کیا گیا۔ بہرحال ایران ایک حد تک ماسکو اور نو آزاد مسلم ریاستوں میں حکمران سابق کیوں نہیں کے ان خدشات کو دور کرنے میں کامیاب رہا ہے کہ وہ ان ریاستوں میں اسلامی بنیاد پرستی کی سرپرستی کر کے سیاسی عدم استحکام پیدا کر سکتا ہے۔ اس کے بر عکس ایران ان ریاستوں میں امریکی اور اسرائیلی (اور کسی حد تک ترکی کی) سرگرمیوں سے خائف ہے۔ اسرائیل خاص کر ان ممالک میں ایرانی اثر و نفوذ روکنے کے لیے سرگرم عمل ہے۔ ایرانی خبرساز ایجنسی ارنا (IRNA) کی رپورٹوں کے مطابق اسرائیل کے سراغساز ادارے کے الیکار آذربایجان کی خفیہ ایجنسیوں کے الیکاروں کو تربیت دینے کے لیے باکو پہنچ گئے ہیں۔ خود اسرائیلیوں کے مطابق ”آذربایجان کے ساتھ مضبوط تعلقات اسرائیل کے تزویری اقلیتی مفادات کا تقاضا ہے۔ اسرائیل کے لیے ان تعلقات کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ یہ ایران سے اٹھنے والی اسلامی بنیاد پرستی کی لہر کو آذربایجان تک پہنچنے سے روکنے میں مدد ثابت ہو سکتے ہیں۔“<sup>9</sup>

نو آزاد مسلم ریاستوں کے ساتھ ایران مضبوط تاریخی، ثقافتی رشتہوں میں نسلک ہے۔ ایران اس مشترک ثقافتی درٹے کو بھی خطے میں اپنا اثر و نفوذ برداھانے کے لیے استعمال کر رہا ہے اور یہی

خطے سے متعلق اس کی خارجہ پالیسی کا چوتھا اہم غصر ہے۔ تاجستان کے ساتھ اگرچہ ایران کا براہ راست جنگلیائی تعلق اور اتصال نہیں آئندہ دونوں ممالک میں بولی جانے والی بولیاں تاجک اور فارسی "تقریباً" ایک ہیں۔ دونوں کا ثقافتی و رشد مشترک ہے اور دونوں ماضی میں ایک ہی سلطنت کا حصہ رہ چکے ہیں۔ ۲۸ سے ۳۰ جون ۱۹۹۲ء تک ایران کے سرکاری دورے سے واپسی پر تاجک صدر رحمن نبی یوف نے کہا تھا:

We and the Iranians have a single language, a single faith; we have a single science and culture. Moreover, right up to the 15th Century we and they lived in a single state:<sup>10</sup>

زمانہ قدیم سے وسطی ایشیا میں لفظ تاجک ان لوگوں کے لیے استعمال کیا جاتا رہا ہے جو ترکی کے بجائے فارسی زبان بولتے تھے۔ لیکن سیاسی معنوں میں ایک مخصوص قومیت کے لیے لفظ تاجک کا استعمال بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں سویت حکمرانوں کی ایجاد ہے۔ سویت حکمرانوں کی طرف سے وسط ایشیائی مسلمانوں کو سلامی اور نسلی بنیادوں پر چھوٹی چھوٹی قومیتوں میں تقسیم کر کے مخصوص علاقائی حد بندروں کے ساتھ انہیں الگ الگ جموروں میں تقسیم کرنے کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ سیاسی، معاشرتی اور ثقافتی شعبوں میں نسلی (اور لسانی) خصوصیات (ethnicity) کو بہت زیادہ وزن دیا جانے لگا۔ چنانچہ اس ناظمیں تاجستان کے اشرافیہ اور دانشور طبقوں کی طرف سے گذشتہ نصف صدی کے دوران سویت یوینیون سے باہر فارسی بولنے والوں کے ساتھ اپنے لسانی اور ثقافتی روایات سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کرنے کا روحانی مظہر عام پر آیا۔ سویت حکام اور دیگر وسط ایشیائی (ترک) قومیتوں کی طرف سے تاجکوں کی شاخت سے متعلق توہین آمیز رویہ اختیار کیا جاتا تھا۔ اس رویے کے رد عمل کے طور پر تاجکوں میں فارسی تندیسی ورثے کو اپنائے اور فارسی اور تاجک زبانوں کو ایک ہی زبان (کے دو مختلف لبیجے) قرار دینے کا رواج عام ہونے لگا۔ ماسکو کی طرف سے تمام وسط ایشیائی قومیتوں کو "سابقہ پسمندہ قومیں (formerly backward peoples)" قرار دینے کے جواب میں تاجک دانشور اور حتیٰ کہ مقامی کیونٹ حکام یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے رہے کہ ان کا تعلق ایک ایسی تنہیٰ سے ہے جو نہ صرف انتہائی ترقی یافتہ ہے بلکہ جس نے زمانہ قدیم میں دنیا کی ایک عظیم سلطنت کو جنم دیا۔ تاجکوں کی اپنی فارسی شاخت سے گری وابستگی کا انعام ۱۹۸۹ء میں تاجک حکومت کی طرف سے تاجک (فارسی) کو سرکاری زبان قرار دینے سے ہوا۔ اس مسئلے میں جس قانون کا اجراء ہوا اس میں تاجک اور

فارسی کو ایک ہی زبان قرار دیا گیا مزید یہ کہ اس قانون کی رو سے تاجک زبان کے لیے عربی / فارسی رسم الخط اختیار کرنے کی تجویز پیش کی گئی۔ تاجکستان کی آزادی کے پہلے سال کے دوران ہی تاجک زبان اور تاجک لڑپچر کے لیے تاجک کے بجائے فارسی کے لفظ کے استعمال کا رواج عام ہونے لگا۔ اس کے ساتھ ساتھ دوسری وسط ایشیائی ریاستوں کی طرح تاجکستان میں قوم پرستی کے رجحانات زور پکڑنے لگے۔ ماں کو کے ساتھ سابقہ طرز کے مرکز۔ علاقائی (centre – periphery) تعلقات کے خاتمه کے بعد پیدا شدہ خلا کو پر کرنے کے لیے قدرتی طور پر تاجکوں کی نظر ایران کی طرف اٹھنے لگی۔ تاجک سمجھتے ہیں کہ ایران کے ساتھ قریبی تعلقات ان کے قیام کی تاجک کوششوں میں تاجک ثقافتی احیاء کو اہم مقام حاصل رہا ہے۔ تاجک بجا طور پر سمجھتے ہیں کہ ۱۹۲۹ء میں تاجک زبان کے لیے عربی / فارسی رسم الخط ترک کرنے کے سودیت فیصلے کے ذریعے ان کا رشتہ اپنے بھر پر ثقافتی ورثے سے کاٹ دیا گیا تھا۔ جس کے نتیجے میں ان کا اپنے ہم زبان ایرانیوں سے (کم از کم کتابت کی حد تک) ہم کلام ہوتا مشکل ہو گیا ہے۔ مزید یہ کہ تاجکوں کو فارسی لڑپچر کی ان محدودے پرند کتابوں کے علاوہ جو سودیت حکام نے سریلیک رسم الخط میں چھپا کیں، عربی / فارسی رسم الخط سے نابلد ہونے کی بنا پر اپنی ہی زبان میں بیرون ملک چھپنے والی گروں مایہ تخلیقات سے مستفید ہونے کی صلاحیت سے محروم کر دیا گیا ہے۔ اس پس مظہر میں تاجکوں کی شدید خواہش ہے کہ وہ اپنی زبان کے لیے پھر سے فارسی / عربی رسم الخط اختیار کریں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ سودیت دور کے تعلیم یافتہ نوجوان (اور بوزھے) عربی / فارسی رسم الخط سے قطعاً نابلد ہیں۔ ۱۹۸۹ء میں نئی لسانی پالیسی کے اجراء کے تینوں سال بعد عربی / فارسی رسم الخط اپنانے کے ایک حاوی کے اندازے کے مطابق ملک کی آبادی کا صرف ایک فیصد عربی / فارسی رسم الخط میں فارسی پڑھنے اور لکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

تاجک زبان روی کے لیے عربی / فارسی رسم الخط اختیار کرنے اور اس سلسلے میں ایران کا تعاون حاصل کرنے میں تاجکوں کو بعض مشکلات کا بھی سامنا ہے۔ ایران اور ایرانیوں کے ساتھ وسعت پذیر تعالی (Interaction) کے نتیجے میں تاجک زبان میں نئے الفاظ، نئی تراکیب اور اصطلاحات متعارف ہو رہی ہیں، جو ایرانی فارسی سے نابلد تاجکوں کے لیے مشکلات کا باعث بن رہی ہیں۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ روی زبان سے متعارف ہی گئی اصطلاحات اور تراکیب کو ترک کر کے غالباً ایرانی فارسی کو رواج دینا چاہیے جبکہ بعض دیگر روں نواز عصراں تجویز کی

ختنی سے مخالفت کر رہے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ ایرانی فارسی بھی کلاسیکی زبان نہیں رہی ہے بلکہ اس کے اندر بھی مشرقی ایران اور دیگر علاقوں کی زبانوں کے الفاظ و تراکیب در آئے ہیں۔ ملک کے اندر ایسے (خصوصاً "سیکور") طبقے بھی ہیں جو اپنے لئے فاری شناخت کے بجائے اپنی قدمی سفیدی (یا م SGD<sup>۲۳</sup>) تنقیب کے احیاء کی وکالت کر رہے ہیں اس مقدمہ کے حصول کے لیے بعض تاجک اصلاحات پندوں نے ایک تنقیم "غیانہ" کے نام سے (۱۹۸۹ء میں ہی) قائم کی تھی۔ ۱۵- بھر حال دونوں ممالک کے مابین براہ راست جغرافیائی اتصال کی عدم موجودگی کے باوجود شفاقتی، لسانی اور (ملکی نہ سی) مذہبی ہم آہنگی نزدیکی روابط اور قریبی تعلقات کے لیے ایک اہم بنیاد فراہم کرتے ہیں۔

آذربایجان ایک اور ایسا ملک ہے جس کے ساتھ ایران کے قریبی شفاقتی تعلقات کے قیام کے امکانات روشن ہیں۔ آذربایجان خلکی کے راستے اور بجہہ کیمپین کے سواہل کے ذریعے ایران سے متصل ہے۔ آذربی ترک ایران کے (صوبہ) آذربایجان میں بھی آباد ہیں۔ آذربایجان (اور جارجیا و آرمنیا) ایک اکائی کی صورت میں نادر شاہ کے عہد تک (۷۴۷ء تا ۷۷۰ء) سلطنت ایران کا حصہ تھا۔ نادر شاہ کے قتل کے بعد شہزادوں میں نخت ایران پر قبضے کے لیے جو رسکشی شروع ہوئی اس کی وجہ سے خراسان اور افغانستان نے آزادی کا اعلان کر دیا اور جارجیا کے شہزادوں تماراس اور ہر کوئی نے ایرانی بالادستی کا طوق اتار پھیلتے ہوئے پہاڑی قبائلوں کے ہملوں سے بچاؤ کے لیے ماسکو سے امداد و تعاون کی درخواست کی۔ ہر کوئی نے جولائی ۱۸۳۷ء میں روس کے ساتھ الحاق معاهدہ پر دستخط کر کے ملکہ کیمپن کی مکوئی قبول کی۔ ۱۹۵۷ء میں ایران کے آغا محمد شاہ نے ساتھ ہزار ساپیوں پر مشتمل ایک فوج کے ساتھ ہر کوئی نے کی راج دہانی تنفس پر حملہ کیا۔ آغا محمد نہ صرف تنفس میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوا بلکہ ایریوان (اب ریوان) پر بھی اس کی افواج نے قبضہ کر لیا۔ آغا محمد شاہ کی ان کامیابیوں سے ایک بار پھر پورے تھماز پر ایرانیوں کی بالادستی قائم ہو گئی۔<sup>۲۴</sup>

آغا محمد شاہ کی اس کارروائی کے جواب میں زاریہ کیمپن دوم نے کاونٹ ولیران زدوف کی قیادت میں روی افواج کو تھماز کی طرف پیش تھی کے لیے روانہ کیا۔ ۱۸۱۳ء سے ۱۸۱۶ء تک خطے پر سیادت کے لیے ایرانی اور روی افواج میں متعدد معرکے لڑے گئے، جن میں رویوں کا پلٹرہ بھاری رہا۔ بالآخر ۱۸۱۳ء میں دونوں ممالک کے مابین معاهدہ گلستان پر دستخط ہوئے جس کی رو سے ایرانیوں نے "کارا باخ"، جارجیا کے صوبوں اور شروان، کوبا، دربند، داغستان، تاکیش کے

روی مقبوض علاقوں، منگریلیا اور تھماز کے دیگر علاقوں پر روی حاکیت تسلیم کر لی۔ اس معاہدہ میں روس اور ایران کے درمیان بعض سرحدی علاقوں میں سرحدوں کا درست اور حتیٰ تعین نہیں کیا گیا تھا۔ اس ستم کا فائدہ اخھاتے ہوئے رو سیوں نے ۱۸۲۵ء میں ضلع گوکپر پر قبضہ کر لیا۔ ایرانیوں کا رد عمل بہت شدید تھا۔ اس علاقے پر اس سے قبل "عملہ" ایران کی عملداری تھی۔ رو سیوں کی اس کارروائی نے پورے ایران میں شدید عوای اضطراب پیدا کیا۔ علماء اور عوام نے روی توسعی پسندوں کے خلاف حکومت پر فوجی کارروائی کے لیے زبردست دیاؤ ڈالا۔ چنانچہ ولی عمد شاہزادہ عباس مرزا کی قیادت میں ملک کے کونے کونے سے مسلح افراہ اکٹھے ہوئے۔ عباس مرزا کی قیادت میں ایرانی افواج نے مذہبی جوش و خروش اور ولی ہدایات کا بھرپور مظاہرہ کرتے ہوئے ایک ہی طبقے میں رو سیوں کو ان تمام علاقوں سے پیچھے دھکیل دیا جو معاہدہ گلستان کے تحت روی عملداری میں دے دیے گئے تھے۔ لیکن جلدی جگ کا پانسہ پلت گیا اور رو سیوں کی زبردست فوجی طاقت کے سامنے ایرانیوں کو پہاڑی اختیار کرنا پڑی۔ "تیکتا" ایرانیوں کو رو سیوں کی شراثاٹ پر (ایران میں برطانوی سفیر کی وساطت سے) ۱۸۲۸ء میں ایک اور معاہدہ پر دستخط کرنا پڑے ہے جسے معاہدہ ترکمانچائی کہا جاتا ہے۔ اس معاہدے کی رو سے ایرانیوں نے ایریوان اور چچیوان پر بھی روی بالادستی کو قبول کر لیا۔ اور یوں تھماز کے پورے علاقے کو رو سیوں کے پرد کرنے کے علاوہ ایران نے آذربایجان کے شمالی حصے پر بھی رو سیوں کے اقتدار کو تسلیم کر لیا۔ جنوبی آذربایجان (جو ایران میں شامل ہے، میں آباد آذری ایران کی سب سے بڑی لسانی اقلیت ہیں۔ ایرانی آذربایجان میں آذربیوں کی تعداد ۸۰ کی دہائی کے اندازوں کے مطابق) ۲۵ لاکھ سے ۴۰ لاکھ تک تھی۔

۱۹۶۷ء کے بالشویک انقلاب کے بعد رو سیوں کے زیر قبضہ دیگر علاقوں کے مسلمانوں کے نقش قدم پر چلتے ہوئے آذربیوں نے ماں کو سے آزادی کا اعلان کیا مگر جلد ہی سودیت حکام نے ان کی یہ آزادی سلب کر لی اور آذربایجان کو سودیت سو شلسٹ ری پلک بنا دیا گیا۔ زبان، مذہب اور نسل کے حوالوں سے آذربیوں میں اپنی شاخت کے لیے مختلف رجحانات پائے جاتے ہیں۔ گو نسل اور زبان کے حوالوں سے آذری ترکی کے قریب تر ہیں، لیکن مذہبی شاخت (شیعہ) اور علاقائی حوالوں سے آذربایجان کی عام آبادی میں ایران سے وابستگی کے رجحانات خاصے مضبوط ہیں۔ ترک شاخت کے حوالے سے بعض ترقی پسند آذری دانشور ترکی کو اپنا آئینہ دل سمجھتے ہیں۔ جبکہ بعض ایسے عناصر بھی ہیں جو اینیسوں صدی کے اوائل اور بیسویں صدی کے اوآخر میں آتار

املاعات پندوں کی پان تکرم اور پان اسلامزم تحریکات (جدید موسومنٹ) سے متاثر ہیں۔ بہرحال آذربی عام طور پر اپنی شناخت، ثقافت اور تاریخ کے لحاظ سے کاملاً "ایرانی ہیں۔ ایران کی آذربی آبادی کی اکثریت مشرقی اور مغربی آذربایجان کے صوبوں میں آباد ہے۔ تہران اور آذربایجان کے درمیان سڑدیات میں ان کی آبادیاں ہیں۔ تقریباً ۵۰ فیصد مرد اور ۲۵ فیصد عورتیں اپنی مادری زبان کے علاوہ فارسی بولتی ہیں۔ آذربی ایران کے سیاسی نظام میں یہیش موثر رہے ہیں۔ صفوی دور (۱۴۵۸ء - ۱۷۲۲ء) میں آذربی "شاہ سیوان" (قبیلے) کو خصوصی درج حاصل تھا۔ یہ لوگ تھے جنہوں نے صفوی بادشاہوں کے مخالفین کو مطیع و فرمانبردار ہانتے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔ شاہ عباس صفوی نے ۱۶۰۰ء کے لگ بھگ شاہ سیوان کو الگ شناخت دی۔ اس طرح آذربی قاچار دور میں بھی نمایاں رہے۔ ایران کی انقلابی حکومت کے پہلے وزیر اعظم مهدی بازرگان، (ایرانی) آذربایجان کے پہلے گورنر رحمت مقدم اور آیت اللہ شریعت مداری آذربی الاصل تھے۔<sup>۲۲</sup>

ایران کے ساتھ مشترک ثقافتی ورثتے کی حامل جس دیگر وسط ایشیائی مسلم ریاست کی نئی اور سمندری سرحدیں ملتی ہیں، وہ ترکمنستان ہے۔ تخلی کے ذریعے ایران کی طویل ترین سرحد اسی نو آزاد مسلم ریاست سے ملتی ہے۔ جمهوریہ ترکمنستان کا نام ترک قبیلے ترکمن یا ترکمان کے سبب ہے جو جمورویاں کی ۳۸ لاکھ آبادی (۱۹۹۲ء) میں اکٹھے فیصد سے زائد ہے۔ سابق سوہنہ یونین کی دیگر جمورویاں میں ترکمن اقلیتوں کی موجودگی کے علاوہ ترکمنوں کی ایک کثیر تعداد افغانستان، ایران (اور عراق) میں بھی آباد ہے۔ ایران میں ترکمنوں کی آبادی چار لاکھ کے قریب ہے۔<sup>۲۳</sup> ترکمن ایران میں آباد اہم قوموں میں شامل ہے اور یہ صوبہ خراسان کے شمال میں صحرائے ترکمن میں زندگی گزارتی ہے۔ یہ قوم ظاہری چرے کی بناوٹ، زبان اور مادی ثقافت کے لحاظ سے دوسری ایرانی قوموں سے بالکل مختلف ہے۔ ترکمنوں کا تعلق اونغوز ترک نسلی گروہ سے ہے۔ زبان اور لہجے کے لحاظ سے ترکمن دیگر وسط ایشیائی ترک قومیتوں کی نسبت انطاولیہ (ترکی) اور آذربایجان کے ترکوں کے قریب تر ہیں۔<sup>۲۴</sup> اونغوز ترکمن قبائل آٹھویں صدی عیسوی میں سیر دریا اور بحیرہ آرال کے شمال میں آباد ہوئے۔ اسلامی فتوحات کے بعد اس علاقے کی عظیم تر اسلامی سلطنت میں شمولیت کے بعد ترکمن قبائل جنوب میں ایران اور مشرقی وسطی کے علاقوں تک پھیل گئے۔ اونغوز ترکمن نسل کے سردار سلوق کے پوتے طفل بیک نے اپنے دادا کے علاقائی مقبوضات میں توسعہ کرتے ہوئے ۱۴۳۰ء میں موجودہ ترکمنستان کے جنوبی

حصوں اور قضاۃ میں سلووق سلطنت کی بنیاد رکھی جس کا دارالسلطنت مرو تھا۔ ۱۰۵۵ء میں طغرل بیک بغداد میں داخل ہوا اور خلافت کے محافظ کی حیثیت سے اسلامی قلمرو کے اکثر علاقوں کو زیر نگین کر لیا۔ طغرل کے پیشجہ الپ ارسلان نے اے ۱۰۶۴ء میں مالازگرد کے مقام پر باز نظینی افواج کو ٹکست دیکر عثمانی ترکوں کے لیے ایشیائے کو چک فتح کرنے کا راستہ ہموار کیا۔ عثمانی سلطنت کے بانی عثمان کا تعلق بھی ایک اوغوز ترک قبیلے سے تھا۔ اناطولیہ اور ایشیائے کو چک میں سلووقوں کے وارث کے طور پر ترک سردار عثمان نے ۱۲۹۹ء میں قدم جماعتے اور ایک الپ عظیم سلطنت (عثمانی خلافت) کی بنیاد رکھی جو صدیوں تک ایشیاء اور یورپ کے متعدد علاقوں اور حملہکار پر حکمرانی کرتی رہی۔ اوغوز ترکمنوں کی دو اور ٹکلکتیں قضاۃ اور ایرانی علاقوں میں قائم ہوئیں جن کی یاد گار آج کی آذربایجانی قومیت ہے۔<sup>۲۷</sup>

اوغوز ترکوں کے وسطی ایشیا میں باقی رہ جانے والے قبائل گیارہویں اور بارہویں صدی عیسوی میں خراسان اور خوارزم (خیوا) کے علاقوں میں آباد ہو گئے۔ مکولوں کی یلغار کے پیشجہ میں خوارزم اور جزیرہ نماۓ مانگیشلاک کے شمالی علاقوں کے ترکمن پاتو خان (اور لٹکر زرین) کے ذیر نگین ہو گئے جبکہ ترکمنوں کے جنوبی علاقے تیموری سلطنت کے حصے قرار پائے۔ لٹکر زرین اور تیموری سلطنتوں کے زوال کے بعد بخارا، خیوا اور ایران نے ترکمن علاقوں کے حصے بخڑے کے لئے تاہم سرحدی علاقوں کے ترکمنوں نے اپنی آزادی اور استقلال کو برقرار رکھا اور اپنے وقار کے سلطے میں وقا "نوقا" بالادستی کے لیے بر سریکار تینوں پڑوی ریاستوں میں سے کسی نہ کسی کے ساتھ اتحاد و تحالف کی پالیسی پر گامزن رہے۔ سرداری نظام اور قبائلی طرز زندگی کی بنا پر ترکمن اس علاقے میں اپنی کوئی مستقل مملکت تکمیل دینے میں ناکام رہے۔ سولہویں صدی کے بعد سے ترکمنوں کی علاقائی حدود ایک متعین صورت میں ظاہر ہونے لگیں۔ ان علاقائی حدود میں موجودہ ترکمنستان اور ایران و افغانستان کے شمالی علاقے شامل ہیں۔ اینسویں صدی کے نصف آخر میں روسمیوں کی اس علاقے میں پیش قدمی کے وقت ترکمن قبائلیں تکمیل ہیں۔ ترکمن (Teke - Turkmen) قبیلے کی سربراہی میں ایک تحدہ ریاست کی تکمیل کے عمل سے گزر رہے تھے۔ تاہم روسمیوں کی اس علاقے میں پیش قدمی اس عمل کی تکمیل میں حاصل ہوئی۔<sup>۲۸</sup>

روسمیوں کی ترکمن علاقوں کی طرف پیش قدمی کی ابتداء بحیرہ کیپیین کے مشرقی ساحل پر کراسنو دوڈسک کے مقام پر قبیلے سے ہوتی۔ کراسنو دوڈسک پر قبضہ کرنے والی روی افواج کی سربراہی جزل راؤٹکی کر رہے تھے۔ روسمیوں نے اس مقام پر ایک قلعہ تعمیر کیا اور اس قلعے میں

مقدمہ روی افواج کی کمان کر قتل سولیٹوف کے سپرد ہوئی۔ روسمیون کے پیش نظر دریائے آمو اور ایران کے سرحدی علاقوں کے مابین رہنے والے ترکمن قبائل کے علاقوں اور خانیت خیوا پر قبضے کے ذریعے ترکستان (وسطی ایشیا) کو یورپ کے ساتھ بھیرہ کیپیں کے مشرقی سواحل کے ذریعے براہ راست ملنا تھا۔ روسمیون کے پیش نظر ایک اور مقدمہ یہ تھا کہ ایرانی سرحدوں کے ساتھ ساتھ مو اور ہرات کی طرف پیش قدی کو آسان بنایا جائے تاکہ برطانیہ کے زیر گلشن ہندوستان کی سرحدوں کے نزدیک تین پہچا جاسکے۔ بھر حال اس وقت انگلستان کی حکومت روسمیون کے اس منصوبے کا اور اک کرنے سے قاصر رہی۔ ۲۲ اگست ۱۸۸۳ء کو خیوا پر قبضے کے بعد روسمیون اور خیوا کے خان محمد رحیم کے مابین ”معاہدہ امن“ پر دستخط ہوئے۔ اس معاہدہ کی رو سے خیوا کو عملاً روسمیون کی عملداری میں دے دیا گیا۔ مزید یہ کہ اس معاہدے کے مطابق خیوا کے خان کو تاؤان جنگ کی مدد میں ۲۲ لاکھ روپیہ ماسکو کو ادا کرنے کا پابند بنایا گیا۔ رحیم خان نے یہوت ترکمنوں کی سرکشی کی شکایت کرتے ہوئے فتح روی جرنیل کا وفا فان یا کوفان، (انگریزی : Kaufmann) سے درخواست لی کہ اسے ضبط شدہ توپوں میں سے کچھ واپس کی جائیں تاکہ اسے اپنی رعایا (یہوت ترکمنوں) کو تاؤان جنگ ادا کرنے پر مجبور کرنے کے لیے ضروری طاقت و قوت حاصل رہے۔ روسمیون نے یہوت ترکمنوں سے تاؤان جنگ وصول کرنے کی ممکن کے بجائے خیوا کے جنوبی علاقوں میں آباد ترکمنوں کے خلاف فوجی خدمات شروع کیں۔ اور چند ماہ کے اندر ہی ہڑاوات، کل نکیار (یا قزل نکیار) اور ایلیالی کے علاوہ سلطنت خیوا میں شامل دیگر علاقوں میں رہائش پذیر یہوت ترکمنوں کو یا تو تھے تھے کر دیا اور یا اپنے علاقے چھوڑ کر جنوب کی طرف فرار ہونے پر مجبور کر دیا۔ ۱۸۸۸ء سے ۱۸۸۳ء تک کے عرصے میں روسمیون نے کنل اروات (یا قزل اروات) یا گلی کله، دنگیل چے، گوک چے، عشق آباد (جو بھی ترکمنوں کے علاقوں کا مرکزی مقام تھا) اور اماد، قلعے پر قبضہ کر لیا۔ ۱۸۸۱ء سے ۱۸۸۳ء کے عرصے میں روسمیون نے دریائے ازیک کے ساتھ ساتھ مشرقی سمت میں مزید پیش قدی کو ترکمن کے ترکمن علاقوں (سرش، پندے اور مرو) پر قبضہ مکمل کر لیا۔ ۱۸۹۹ء میں روسمیون نے بھیرہ کیپیں کے ساحلی علاقے پر مشتمل ضلع ”ڑانس کیپیا“ ترکستان میں شامل کرنے کا فعلہ کیا۔ ۱۹۱۶ء میں روس کے زیر انتظام دیگر مسلم علاقوں اور قومیتوں کی طرح ترکمنوں نے بھی ماسکو کی طرف سے ان کی فوج میں غیر حلی پیشوں میں خدمات انجام دینے کے خلاف بغاوت میں حصہ لیا۔ ۱۹۱۷ء کے باشکویک انقلاب کے بعد ۳۰ اپریل ۱۹۱۸ء کو ترکمن خود مختار جمہوریہ کی تشكیل کا اعلان کیا گیا۔ ڈرانس کیپیا کو اس خود مختار جمہوریہ میں شامل رکھا گیا اور ترکمن جمہوریہ روی

نیڈریشن کی ایک خود مختار جمیوریہ قرار پائی۔ جولائی ۱۹۷۸ء میں ترکمن قوم پرستوں نے (جن میں منشویک اور داکئیں بازو کے سو شل ڈیمو کریٹ شال تھے) بالشویک اقتدار کا خاتمه کر کے آزادی کا اعلان کر دیا۔ عشق آباد کی اس نو آزاد ترکمن ریاست کو مشد (ایران) میں قائم برطانوی مشن کی سرپرستی حاصل تھی۔ اس نو آزاد حکومت کی درخواست پر جنگ سلسن کی قیادت میں برطانوی فوجی دستے عشق آباد میں تعینات کئے گئے۔ بھر حال ترکمن اپنی یہ آزادی زیادہ دیر تک برقرار نہ رکھ سکے اور انگریزی افواج کے انخلاء کے بعد ۱۹۷۰ء کے اوآخر تک علاقے پر جنگ فرز اور کبھائی شیعیت کی قیادت میں سرخ افواج نے اپنی گرفت محکم کر لی۔ ترکمنستان کو ۲۷ اکتوبر ۱۹۷۸ء کو یونین جمیوریہ (SSR) کی حیثیت دی گئی اور اس میں ٹرانس کیپیٹن ڈسڑک کے علاوہ عشق آباد، کراسنیووڈسک، تیمند، مرو اور سابقہ خیوا اور بخارا خانیتوں کے ترکمن علاقے (خیوا کے تاشوز اور ارمنی علاقے اور بخارا کے چار جزو اور کرکی کے علاقے) شامل کئے گئے۔<sup>۳۲۲</sup>

قاز قستان کی زمینی سرحد انگرچہ ایران کے ساتھ نہیں ملتی تاہم بھیو کیپین کا ساحلی ملک ہونے کے ناطے ان دونوں کی بھری حدود ایک ہی بھیہ سے ملک ہیں۔ وسطی ایشیا کی باقی تین مسلم ریاستوں؛ ازبکستان، تاجکستان اور کرغیزستان کے ساتھ ایران کا براہ راست جغرافیائی اتصال نہیں البتہ ترکمنستان کے راستے ازبکستان اور پھر ازبکستان کے راستے تاجکستان، کرغیزستان اور قاز قستان کے ساتھ بھی زمینی روابط پیدا کئے جاسکتے ہیں۔ مسلم ممالک کی حیثیت سے ایران ان تمام ریاستوں کے ساتھ مشترک مذہبی اور ثقافتی ورثے کے حوالے سے مضبوط بنیادوں پر تعلقات استوار کرنا چاہتا ہے۔

### ایران اور سابقہ سوویت ریاستوں میں روابط: دو طرفہ یا کیش لا طراف؟

۱۹۹۱ء میں سوویت یونین کے انهدام کے نتیجے میں ایران کے پڑوس میں متعدد مسلم اور غیر مسلم نو آزاد ریاستوں کے عالمی نقشے پر ظہور کے وقت صدر علی ہاشمی رفسنجانی کی حکومت ایران کی سفارتی تھائی (diplomatic isolation) کے خاتمه کے لیے زبردست کوششوں میں مصروف تھی۔ ۱۹۷۹ء کے اسلامی انقلاب کے نتیجے میں نہ صرف امریکہ اور مغرب سے ایران کے تعلقات بگاڑ کا شکار ہو گئے تھے بلکہ بعض اسلامی ممالک میں بھی بوجہ ایران کے لیے ناپسندیدگی کے جذبات پیدا ہو گئے تھے۔ عراق اور ایران کے درمیان جنگ چڑھنے کے نتیجے میں "میں الاقوامی برادری" کی طرف سے ایران پر "مکمل سفارتی تھائی" عائد کر دی گئی۔ یہ سفارتی تھائی عملاً<sup>۳۲۳</sup> کی دہائی کے اختتام تک جاری رہی۔ اس پس منظر میں ایرانی انقلابی قیادت نے ۸۰ کی دہائی کی ابتداء سے اس سفارتی تھائی کو توڑنے کے لیے چک دار خارج پالیسی اختیار کرنا شروع کی۔ اکتوبر ۱۹۸۲ میں